ولا تأخذكم بهما رأفة فی دین اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین

(اور اگر تم خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شرع خدا کے حکم میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہو)

اسی طرح چوری کی حد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم "(اور جو چوری کرے مرد یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ ان کے فعلوں کی سزا اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے۔ اور اللہ زبردست اور صاحب حکمت ہے)

گواہی دینے کی بھی قرآن پاک میں تاکید آئی ہے۔ اور گواہی نہ دینے کو سختی سے منع کیا گیا ہے یعنی جو شخص کسی جرم کے ارتکاب کو دیکھے تو ضروری ہے کہ وہ اس کی گواہی دے دے۔ چنانچہ ارشاد ہے ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ" اور شہادت کو مت چھپانا اور جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہگار ہوگا۔

اس کے علاوہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن اہل زمین میں کسی ایک حد پر بھی عمل ہوا۔ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان پر چالیس دن بارش ہوتی رہے۔ (نسائی اور ابن ماجہ)۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں سفارش کی تو وہ اللہ کے ساتھ اس کے حکم میں ضد کرنے والا ہوگا۔ ایک دوسری حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زیدؓ سے جنہوں نے قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت کی جس نے کہ چوری کی تھی سفارش کی فرمایا کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو، اور سنو! اللہ کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کٹواتا۔ اس کے علاوہ صحیحین میں حضرت

عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضور نے ایک خطبہ میں فرمایا "اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوگئے کہ جب ان میں سے مالدار چوری کرتا تو ان کو چھوڑا جاتا اور جب کمزور اور غریب چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے" ان سب دلائل سے ظاہر ہے کہ حد ضرور لگائی جائے۔ اس کی گواہی دی جائے اور اس میں کسی حیلے وغیرہ سے کام نہ لیا جائے۔ اور اس کو روکا نہ جائے بلکہ کوشش کی جائے کہ حد لگ جائے۔

چنانچہ فقہ ظاہریہ کے نزدیک شبہات سے حدود نہ ساقط ہوتی ہیں اور نہ نافذ کی جاتی ہیں بلکہ یہ تو اللہ کے حق کے طور پر واجب ہیں۔ اس لئے ان میں کوئی کسی قسم کی گنجائش نہیں ہے اگر حد ثابت نہیں ہوتی تو اس کو شبہ سے ثابت بھی نہیں کیا جائے گا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "بیشک تمہارے خون، تمہارے اموال، تمہاری آبرو تمہارے وجود ایسے قابل حرمت اور عزت ہیں جیسے کہ آج کا دن اور یہ مہینہ" اور اگر حد ثابت ہے تو پھر وہ شبہ سے ساقط نہیں ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"تلك حدود الله فلا تعتدوها"

(یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے آگے نہ جاؤ)

یعنی ان میں کمی بیشی اور حیلہ جوئی سے کام نہ لو[2]

لیکن باقی سب فقہاء ان احادیث اور روایات کی بنیاد پر جن میں شبہات سے حدود ساقط ہونے کا ذکر ہے اس بات کے قائل ہیں کہ اگر حدود میں شبہہ پیدا ہو جائے تو وہ ساقط ہو جائیں گی۔ شبہہ کی تعریف فقہاء یوں کرتے ہیں کہ شبہ ایسی بات کو کہتے ہیں جو یقینی نہ ہو۔ بلکہ یقینی جیسی ہو۔ اس لئے شبہہ کے بارے میں بعض امور ایسے ہیں جن میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا یہ شبہہ ایسا ہے جس کی بنا پر سزا کو نافذ نہ کیا جائے یا ایسا نہیں ہے اور آیا پوچھ گچھ سے ایسا شبہہ پیدا ہوا ہے جو ملزم کو سزا سے جرم سے بچا سکے اور معلوم ہو جائے کہ اس شخص نے کیا سمجھ کر

ارتکاب جرم کیا۔ آیا اس نے اس گناہ کا ارادہ کرنے میں غلطی کی یا نہیں کی اور کیا ارتکاب جرم کے وقت اس نے اس فعل کا اقدام حلال سمجھ کر کیا یا نہیں ظاہر ہے کہ اس رد وکد اور پوچھ گچھ کا مقصد یہ ہے کہ اس گناہ کے الزام سے جو ایک شخص پر لگا ہے اسے بری قرار دیا جائے اور پوچھ گچھ صریحاً اقرار گناہ کے بعد ہوگی۔ یہ سب ان احادیث پر مبنی ہے جن میں حضورؐ نے فرمایا کہ حدود و شبہات سے ساقط کرو یعنی شبہات میں پڑ کر سزائیں نہ دو چنانچہ حضورؐ نے فرمایا

ادروا الحدود بالشبہات

(شبہات سے حدود ساقط کرو[۲۲])

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایھا الناس من ارتکب شیأ من ھذہ القاذورات فاستتر فھو فی ستر اللہ ومن ابدی صفحتہ اقمنا علیہ الحد۔

(اے لوگو! جس نے ان گندے کاموں میں سے کوئی کام کیا اور اس کو چھپایا تو گویا وہ اللہ کے ستر میں (یعنی اللہ نے اس کا کام چھپوایا)، اور جس نے اس کو ظاہر کیا تو ہم اس پر حد نافذ کریں گے[۲۳])

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق کار نہ تھا کہ ظنی امور پر مواخذہ فرمائیں بلکہ جب تک کہ ارتکاب جرم کا پورا یقین نہ ہو جاتا حد نافذ نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لوکنت راجماً احداً بغیر بینۃ لرجمت فلانۃ فقد ظھر منھا الریبۃ فی منطقھا وھیئتھا ومن یدخل علیھا

(یعنی اگر میں کسی کو ثبوتِ شہادت کے بغیر سنگسار کرتا تو فلانی عورت کو کرتا جس کا عیب اس کے بیان اور صورتِ حالات اور اس شخص سے ظاہر ہے جو اس کے پاس گیا[۲۴])

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے شام کے علاقے میں ایک شخص (مرتکب گناہ) کے اس عذر کو قبول کیا کہ اسے زنا کے حرام ہونے کا علم نہ تھا۔ اسی طرح ان کی اور سیدنا عثمانؓ کی بابت مروی ہے کہ انہوں نے ایک عجمیہ عورت کا یہ عذر جرم زنا سے بریت کے بارے میں قبول فرمایا جس نے کہا کہ مجھے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ زنا حرام ہے۔

مندرجہ بالا روایات کے پیش نظر سارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ حدود کے اقدام میں شبہات کے پیدا ہونے سے سزا یعنی حد نافذ نہیں ہوگی۔ البتہ شبہات کی تفصیل میں ان کا اختلاف ہے۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں شبہہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) شبہہ عملی (۲) شبہہ محلی (۳) شبہہ عقد ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔ شبہہ عملی

اس شبہہ کو کہتے ہیں کہ جب کسی کو کسی چیز حلال یا حرام ہونے میں شبہہ ہو جائے اور حلال ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو اور وہ اس کو حلال سمجھنے کے لئے ایسی چیز کو دلیل سمجھے جو دراصل حلت کی دلیل نہ ہو مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے اور پھر عدت کے دوران اس سے مباشرت کرے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ مطلقہ عورت پر خاوند کو کسی طرح کا اختیار نہیں رہتا کیونکہ تین طلاق کے بعد بیوی کے حرام ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔ تاہم اگر مرتکب یہ کہتا ہے کہ میں نے اس بیوی کو حلال تصور کر کے اس سے مباشرت کی تھی تو اس پر حد عائد نہ کی جائے گی کیونکہ یہاں شبہہ کی گنجائش اس لحاظ سے ہے کہ بیوی پر جو ملکیتِ نکاح خاوند کی ہوتی ہے۔ اس کا اثر عدت کے دوران بھی باقی رہتا ہے۔ چنانچہ خاوند اپنی مطلقہ بیوی کو عدت کے دوران گھر کے باہر جانے سے روک سکتا ہے اور اس کے نان نفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ نیز اس کی عدت کے دوران اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا وغیرہ وغیرہ

پس ممکن ہے کہ ان امور میں سے کسی امر کے پیش نظر اس شخص نے مباشرت کو حلال تصور کر لیا ہو۔ چنانچہ اس شبہہ کو بنا اسے بچنے کا عذر تصور کیا جا سکتا ہے[۹]

اسی طرح اگر کوئی اپنی ایسی بیوی سے مباشرت کرے جس نے خاوند سے خلع کر لیا ہو یعنی اپنا پیچھا چھڑا لیا ہو اور وہ مہر جو اس نے خاوند سے لیا ہو واپس کر دیا ہو تو یہ مباشرت حرام ہے اور اس پر حد واجب ہوتی ہے لیکن اس میں شبہہ کی گنجائش یوں ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے یا طلاق بائنہ اس لئے اس مباشرت پر حد نہیں ہو گی[۱۰]

شبہہ عملی میں یہ ضروری ہے کہ اس کام کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو اور یہ کہ مجرم اس کو حلال سمجھتا ہو۔ لہٰذا اگر مرتکب اس کو حلال نہ سمجھتا ہو یا اس کام کے حرام ہونے پر دلیل ہو تو پھر شبہہ نہیں ہو گا۔ اور جب ثابت ہو جائے کہ مجرم اس کام کے حرام ہونے کو جانتا تھا تو اس پر حد لازم ہو گی[۱۱]

۲۔ شبہہ محلی

یہ وہ شبہہ ہے جو کسی فعل کی حکمی حیثیت میں موجود ہو، یعنی اس ممنوع فعل کے شرعی حکم میں اشتباہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے اس کے حرام ہونے کی جو دلیل ہے وہ اس فعل کے حلال ہونے والی دلیل کے مقابلے میں مشتبہ ہو یقینی نہ ہو اس لئے اس فعل کا مرتکب اگر یہ کہے کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے پھر بھی اس پر حد نہیں ہو گی کیونکہ شبہہ دلیل شرعی کے قائم ہونے میں ہے نہ کہ مرتکب کے اس کے بارے میں علم ہونے یا نہ ہونے میں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو صراحۃً نہیں بلکہ کنایۃً طلاق بائنہ دیدی مثلاً اس سے کہا کہ تو آزاد ہے یا تیرا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے یا ایسی کوئی بات ہوئی جس سے کنایۃً طلاق پڑ جاتی ہے اور پھر وہ اس سے عدت کے دوران مباشرت کر لیتا ہے تو یہ شبہہ ہے اور اس لئے اس پر حد لازم نہیں ہو گی اس لئے کہ طلاق

بائن بالکنایہ میں اختلاف ہے اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ کنایہ سے طلاق بائن نہیں طلاق رجعی ہوتی ہے، اور طلاق رجعی میں خاوند کا حق بیوی پر قائم رہتا ہے۔

یا مثلاً اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے محفوظ مال سے چوری کرلے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ کیونکہ باپ کے لئے بیٹے کا مال مباح ہونے کی دلیل موجود ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے" انت و مالك لابيك (تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے ہیں) اس کو حد کے ساقط کرنے کے سلسلے میں شبہہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ شبہہ عقد

امام ابوحنیفہ کے ہاں نفسِ عقدِ نکاح سے شبہہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں مباشرت سے حد ساقط ہو جاتی ہے، خواہ وہ عقد ایسا ہی ہو جس کے حرام ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہو اور یہ بھی کہ عقد کرنیوالا اس سے پوری طرح باخبر بھی ہو، مثلاً اگر کوئی اپنی محرمات مثلاً ماں، بہن وغیرہ سے نکاح کرے اور پھر اس کے ساتھ مباشرت کرے۔ البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد اس کو شبہہ تصور نہیں کرتے اور اس مباشرت کے مرتکب پر حد لازم ٹھہراتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ نکاح اپنے اہل سے صادر ہوا اور محل کی طرف منسوب ہے تو یہ حد کے وجوب کو ختم کرتا ہے۔ جیسا کہ نکاح بلا گواہ یا متعہ کا نکاح وغیرہ اور لفظِ نکاح اور اہلیتِ نکاح کے وجود میں کوئی شک نہیں ہے اور حلال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ محل نکاح حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے کوئی بھی عورت ہے جیسا کہ قرآنی آیت فانكحوا ما طاب لكم من النساء سے ثابت ہے کیونکہ ہر عورت میں محل نکاح بننے کی صلاحیت ہے اس لئے ہر عورت حکم نکاح کا محل ہے اگرچہ شریعت نے بعض عورتوں کو محل ہونے سے نکال دیا ہے تو گویا رکن نکاح اہلیت اور محلیت موجود ہیں لیکن صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے تو یہ نکاح

فاسد ہوگیا اور نکاح فاسد میں مباشرت کرنا بالاجماع زنا نہیں ہے اس لئے اس پر حد نافذ نہیں ہوگی جیساکہ نکاح بلا گواہ یا اور کوئی نکاح فاسدہ میں[9]

اسی طرح ہر نکاح جس کے باطل ہونے پر اجماع ہو۔ مثلاً پانچویں عورت سے نکاح یا کسی کی بیوی سے نکاح یا کسی کی عورت کی عدت کے دوران اس سے نکاح وغیرہ تو اگر کوئی شخص اس قسم کا نکاح کرے اور پھر منکوحہ عورت سے مباشرت کرے تو امام ابوحنیفہ کے ہاں اس پر حد نہیں ہے کیونکہ نفس عقد نکاح کا وجود ہی ایک شبہہ ہے جو حد کو ساقط کرتا ہے۔ البتہ اس طرح کی صورت میں تعزیر ہے لیکن صاحبین اور ائمہ ثلاثہ اس کو زنا تصور کرتے ہیں اور اس پر حد لازم ٹھہراتے ہیں اسی طرح اگر ایک مرد اور ایک عورت مباشرت کرتے ہوئے پکڑے گئے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم نے شادی کی ہے اور دوسرے نے کہا کہ ہم نے زنا کی ہے، تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک دونوں پر حد نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ دعویٰ نکاح سچا ہو چنانچہ اس احتمال سے شبہہ پیدا ہوتا ہے جس سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ باقی ائمہ اس کو شبہہ نہیں مانتے اور جو یہ کہے کہ ہم نے زنا کی ہے اس پر حد لازم ٹھہراتے ہیں۔ جب تک کہ نکاح ثابت نہ ہو جائے۔

اور اگر ایک مرد اور ایک عورت مباشرت کرتے ہوئے پکڑے گئے اور دونوں نے دعوی کیا کہ ہم نے شادی کی ہے تو اکثر فقہا کے نزدیک ان کا قول معتبر ہوگا اور ان سے حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ ان کے دعویٰ نکاح میں صدق کا احتمال ہے جس سے شبہہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے البتہ امام مالک کے نزدیک ان پر واجب ہے کہ وہ اپنا نکاح ثابت کریں اور اگر وہ نکاح ثابت نہ کر سکیں تو ان پر حد نافذ کی جائے گی[10]

اسی طرح اگر کسی نے کسی جرم یا حق کا دعویٰ طویل مدت کے بعد کیا یا کسی جرم یا حق کے بارے میں جو طویل مدت گزرنے کے بعد گواہی دی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ شبہہ کا معاملہ ہوگیا اور اس لئے یہ قابل قبول نہیں ہوگا اور اس سے حد لازم نہیں آئے گی۔

فقہاء شافعیہ کے نزدیک بھی شبہات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) شبہہ محلی (۲) شبہہ فعلی (۳) شبہہ جہتی

۱۔ شبہہ محلی

شبہہ محلی یہ ہے کہ مثلاً حیض میں اپنی بیوی سے مباشرت کرے یا روزے میں اپنی بیوی سے مباشرت کرے تو ان صورتوں میں اصل محل میں شبہہ قائم ہے۔ کیونکہ محل یعنی بیوی پر شوہر کو اختیار ہے اور اس حیثیت سے وہ اس کے ساتھ مباشرت کر سکتا ہے لیکن ان حالات میں وہ صرف اس لئے مباشرت نہیں کر سکتا کہ وہ حائضہ ہے یا صائمہ۔ لیکن اس پر حق کی وجہ سے پھر بھی شبہہ پیدا ہو جاتا ہے خواہ وہ شخص اس کو حلال سمجھے یا حرام، اس لئے اس مباشرت پر اس کو حد کی سزا نہیں دی جائے گی۔

۲۔ شبہہ فعلی

شبہہ فعلی یہ ہے کہ مثلاً اگر کسی شخص کے بستر میں ایک عورت آگئی اور اس نے اس کے ساتھ مباشرت کی اور وہ یہ خیال کر رہا تھا کہ یہ میری بیوی ہے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ اس کی بیوی نہیں تھی تو اس کا یہ فعل شبہہ تصور ہوگا۔

۳۔ شبہہ جہتی، یہ ہے کہ کسی فعل کے حلال اور حرام ہونے میں اشتباہ ہو اور اس کی بنیاد فقہاء کا اختلاف ہو۔ پس ہر وہ حکم جس میں فقہاء نے اختلاف کیا ہو کہ یہ جائز ہے یا حرام ہے تو اس میں ان کا یہ اختلاف شبہہ پیدا کرتا ہے اور اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے، مثلاً امام ابوحنیفہ بلا ولی نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں، امام مالک بغیر گواہ کے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں، اور حضرت ابن عباس نکاح متعہ کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ باقی جمہور فقہاء ان نکاحوں کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اور اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے نکاح کے بعد اگر عورت سے مباشرت کی جائے تو اس پر حد نہیں ہوگی،

اگرچہ وہ یہ جانتا ہو کہ یہ ناجائز ہے۔

فقہ حنفی اور فقہ شافعی میں شبہات کے ضمن میں کافی تفصیل پائی جاتی ہے اور ان پر مبنی بہت سی صورتیں بیان کی گئی ہیں جن میں حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس مختصر مقالے میں ان تفصیلات کا بیان کرنا مشکل ہے اس کے علاوہ فقہ مالکی اور فقہ حنبلی میں بھی شبہات کا لحاظ ہے لیکن انہوں نے ان کو زیادہ وقعت نہیں دی ہے۔ اس لئے ان کے فقہوں میں شبہات پر مرتب بحث نہیں کی گئی ہے اور نہ ان کو مختلف قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ البتہ اثبات حد میں وہ کافی تحقیق کے قائل ہیں تاکہ اس جرم سے متعلق ہر قسم کے سوال کا جواب دیا جائے اور کسی قسم کا شبہہ باقی نہ رہے۔

مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ ہر شبہہ پر دلیل قطعی نہیں ہے یعنی نہ قرآن کی آیت، نہ حدیث نہ اجماع، بلکہ فقہا نے احادیث اور اقوال صحابہ سے قیاساً استنباط کر کے شبہات کا ثبوت مہیا کر کے حدود کو ساقط کر دیا ہے۔ اور چونکہ چاروں فقہوں کے بانیوں کے زمانہ میں لوگوں کی حالت صحابہ و تابعین کی برکت سے اچھی تھی ان میں جھوٹ بولنے اور جرم یا حق چھپانے کا عام رواج نہیں تھا۔ وہ لوگ صاحب کردار تھے۔ اس لئے اس قسم کی سوسائٹی میں تو ایسے شبہات واقعی حدود کو ساقط کر دیتے ہیں۔ لیکن جب لوگوں کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ نہ تو وہ سچ بولتے ہیں اور نہ وہ جرم کا اقرار کرتے ہیں تو ان شبہات سے ایسے لوگ واقعی ناجائز فائدہ اٹھائیں گے اور کوئی حد نافذ ہی نہیں ہو سکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض متاخرین اور معاصرین نے ان شبہات پر اعتراضات کئے ہیں اور ان کو بالکل باطل قرار دیدیا ہے اس ضمن میں علامہ ابن القیم نے اپنی مشہور کتاب اعلام الموقعین کی جلد اوّل اور دوم میں حیلوں اور شبہات پر کافی بحث کی ہے اور ان کو باطل قرار دیا ہے۔ چنانچہ چوری میں شبہات سے حد ساقط کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں: "ان فقہا کے شبہات کو صحیح مان لینے کے بعد دنیا میں کسی چور کا ہاتھ کسی طرح ہی نہیں کٹ سکتا۔ چوریاں عام ہوں گی اور دنیا کا امن غارت ہو جائے گا۔ کہتے ہیں کہ ایک نقب لگائے دوسرا شریک جرم اندر چلا جائے یا اپنے غلام کو اندر بھیج دے اور وہ اسباب نکال لائے۔ تو ہاتھ

شبہہ کی وجہ سے نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی چوری کرتے پکڑا گیا تو اس نے کہا کہ یہ میرا مال ہے تو اس میں شبہہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے چوری کی حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر چور نے چوری کے مال کی شکل بگاڑ دی تو بھی شبہہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح اگر چور یہ کہے کہ مالک مکان نے ہی مجھے اپنے گھر میں داخل کیا تھا اور اپنے گھر کا دروازہ میرے لئے کھولا تھا تو بھی شبہہ پیدا ہوتا ہے اور حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے شبہات ہیں جن سے چور کے ہاتھ کٹنے سے بچ جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب حیلے باطل ہیں ان سے ہرگز چور کے ہاتھ کٹنے سے بچ نہیں سکتے نہ اس قسم کی باتوں کو شبہ کا سبب قرار دیا جا سکتا ہے۔ نہ شریعت کو یہ لائق ہے کہ وہ ایسے حیلے سکھائے نہ کوئی عادل بادشاہ اپنی سلطنت میں یہ لغو قانون جاری کر سکتا ہے۔ جو شریعت دنیا کی اصلاح کے لئے ہو اس میں ایسے مسائل کا ہونا اس شریعت کا حسن کھو دینے کے لئے کافی ہے۔ یہ تو کھیل ہے نہ کہ قانون یہ ظلم ہے نہ کہ عدل یہ باطل ہے نہ کہ حق یہ شیطنیت ہے نہ کہ شریعت۔"

بہر حال آجکل اگر غور سے دیکھا جائے تو ان شبہات کی موجودگی میں واقعی کوئی حد نافذ ہی نہیں کی جا سکتی ہے مثلاً آج کل اگر ایک مرد اور عورت کو مباشرت کرتے ہوئے پکڑا گیا اور ان کو یہ معلوم ہو کہ اگر ہم نے یہ کہا کہ ہم نے شادی کی ہے تو ہم بچ جائیں گے تو وہ تو ضرور کہیں گے اگرچہ انہوں نے واقعۃً شادی نہ بھی کی ہو۔ تو اس صورت میں حد کا نفاذ مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے اس مسئلے میں اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ حالات حاضرہ کے تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے اور مختلف فقہا کی آراء پر غور کیا جائے اور پھر سب سے ایک متفقہ لائحہ عمل نکالا جائے تاکہ آجکل کے معاشرہ میں مجرم ایسے شبہات کی بنیاد پہ سزا سے نہ بچ سکے اور معاشرہ جرائم سے محفوظ رہے۔

حوالہ جات

۱ نیل الاوطار شوکانی جلد ۷ صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱ -

۲ التشریع الجنائی الاسلامی جلد ۲ صفحہ ۳۵۹ -

۳ ترمذی

۴ نسائی ابن ماجہ ۔ ابو داؤد

۵ ابن ماجہ

۶ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ علامہ جزیری، جلد ۵ صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵

۷ ایضاً

۸ التشریع الجنائی جلد ۲ صفحہ ۳۶۲

۹ بدائع الصنائع جلد ۷ صفحہ ۳۵، ۳۶ -

۱۰ التشریع الجنائی الاسلامی جلد ۲ صفحہ ۳۶۱ تا ۳۷۲

غزلیات امیر خسروؔ اور تصوف

ڈاکٹر خواجہ معین الدین جمیل

مستشرقین لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی تصوف یا طریقت مغرب کی سریت (MYSTICISM) یا جوگیوں کے دھیان گیان سے ہم آہنگ ہے۔ مستشرقین کے اس نظریے سے بہت سے جدید تعلیم یافتہ مسلمان اور صوفیائے کرام بھی متاثر ہیں۔ لیکن اسلامی تعلیمات کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے اشخاص اس نظریے کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ دراصل شریعت اور طریقت دینِ اسلام ہی کے دو حصے ہیں۔ ایک عظیم عالم دین اور صوفی کے قول کی رو سے دین اسلام کا وہ حصہ جو ان ظاہری اعمال سے متعلق ہے جن کو زبان اور ہاتھ پیر وغیرہ سے انجام دیا جاتا ہے وہ شریعت ہے اور اس کا باطنی حصہ جو دل سے متعلق ہے جیسے اخلاص، یقین، رحم وغیرہ یا حسد اور بغض وغیرہ سے دل کی پاکیزگی طریقت میں داخل ہے۔ طریقت شریعت کی روح ہے اور طریقت سے شریعت کے اعمال کی تکمیل ہوتی ہے اور ان میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ امیر خسرو کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ امیر خسرو بھی تصوف اور طریقت کو اسی انداز سے سمجھتے تھے۔

شریعت

مسلم معاشرے میں شریعت سے روگردانی مسلم صوفیا کے لئے بہت تکلیف دہ ثابت